شاہ بلیغ الدین

ڈاکٹر محمد حمید اللہ علیہ الرحمتہ

عربی کی ایک کہاوت کا مطلب ہے کہ.....ایک عالم کا دنیا سے اٹھ جانا گویا دنیا کا مٹ جانا ہے۔ایسا ہی ایک عالم دنیا سے اٹھ گیا۔کیا عالم تھا اور کیا انسان تھا کہ اس کا مثل ملنا مشکل ہے۔ایک دانشور نے کہا کہ انہیں دیکھ کر صحابہ کرامؓ یاد آتے تھے۔علم بھی تھا، پارسائی بھی تھی۔بڑی بڑی عباؤں والے مسند شاہی کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں۔کہنے کو تو صاحب طریقت ہوتے ہیں لیکن اقتدار کی چوکھٹ پر سرنگوں ہوجاتے ہیں۔یہ ایسا عابد شب زندہ دار تھا اور ایسا عالم باعمل کہ اقبال کا کہا سچ معلوم ہوتا ہے۔ ؎

نہ تخت و تاج میں نے لشکر وسپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

فیصل ایوارڈ کا اعلان ہوا تو اس برگزیدہ شخصیت نے معذرت کرلی۔یہ کوئی معمولی انعام نہیں تھا' سارے عالم اسلام سے اس انعام کے لیے انتخاب ہوتا ہے۔عزت بھی بڑی اور رقم بھی بڑی' بڑی بھی ایسی کہ لاکھوں کی بات ہوتی ہے' حضرت نے معذرت کرلی' انعام نہ لیا۔

مملکت پاکستان نے بڑی منتوں، بڑی کوششوں سے نئی صدی ہجری کے آغاز پر ہجرہ ایوارڈ پیش کیا تو پھر معذرت کرلی۔اے کے بروہی اور جنرل ضیاء الحق نے بہت زور لگایا، بڑی منتیں، خوشامدیں کیں تو بڑی عاجزی اور بڑے انکسار سے کہا کہ چلئے محبتوں کی عطا ہے تو قبول! انعام میرے نام لکھ دیجیے لیکن رقم اسلامی یونیورسٹی کی جھولی میں ڈال دیجیے۔

ترکی، مراکش، پاکستان اور لیبیا جیسے نہ جانے کن کن حکومتوں اور مملکتوں نے اعزازات کی پیش کش کی۔ان کے ساتھ رقمی عطیات بھی تھے لیکن یہ سارے شاہی اور شہنشاہی تمغے اور نشانات مسترد کرتے ہیں۔حرص و ہوس تو تھی ہی نہیں ایسے درویش، خدامست کا نمائش اور ریا سے کیا تعلق؟ جسے دنیا کی چاہت ہی نہ ہو اسے نمود و نمائش سے کیا سروکار یہی وہ مقام ہے' جہاں پہنچ کر عظمتوں کے مزاج سمجھ میں آتے ہیں۔ ؎

مرگ مجنوں پہ عقل گم ہے میر
کس دیوانے نے موت پائی ہے

ابھی کچھ دنوں کی بات ہے‘فلوریڈا کی ریاست سے فون آیا۔سدیدہ احمد فون پر تھیں‘شہر جیکسن و ل (Jackson vill) سے بول رہی تھیں۔وہی جگہ جہاں علم وعمل کے اس ’’دیوانے‘‘ نے دنیا چھوڑ دی اور خالق کائنات کی بارگاہ خاص میں حاضر ہوگیا۔پوتی نے اپنے دادا کے بارے میں بتایا ’’بروز منگل ۱۷دسمبر۲۰۰۲ء کو صبح اٹھے‘اپنے کمرے سے نکلے‘ناشتہ کیا‘معمول کے مطابق گھر میں ٹہلتے رہے اور اپنی مصروفیات میں لگے رہے۔دوپہر میں قیلولے کی عادت تھی ‘بعد نماز ظہر اپنے بستر پر لیٹ گئے۔باتیں وہ ہمیشہ کم کرتے تھے۔کوئی ضروری بات ہوتی تو کہہ دیتے تھے ورنہ بے کار باتوں پر منہ نہ کھولتے تھے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے‘جس کا مطلب ہے کہ بے ضرورت باتوں پر منہ نہ کھولنا چاہیے۔ان کا بھی حساب ہوتا ہے‘رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا انہیں کس درجہ خیال تھا۔خیال کیا‘اسوہ حسنہ تو ان کی زندگی کا مآل تھا۔

سدیدہ احمد کسی کالج میں پڑھاتی ہیں۔روزگار کا یہ ذریعہ ختم ہونے کے بعد تبلیغ دین کے کاموں میں لگی رہتی ہیں ۔نئی نسل کی تعلیم پر ان کی توجہ زیادہ رہتی ہے۔وہی پیرس جا کر اپنے دادا کو ساتھ لے آئی تھیں پھر وہ انہی کے ساتھ رہے۔باتوں باتوں میں سدیدہ نے کہا کہ وہ دین کے کاموں کا کوئی معاوضہ نہیں لیتی۔دادا نے تاکید کی تھی کہ ان کاموں کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔میں نے سنا اور دیکھا کہ دادا خود اس پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ان کی محدود آمدنی تھی‘اسی پر صبر اور شکر سے گزارکرتے۔اپنی استطاعت سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں بانٹتے۔ان کی زندگی سادہ،ان کے اصول آسان اور ان کا لہجہ بہت نرم ہوتا تھا۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ ’’**قولوللناس حسنا**‘‘ کے حکم پر عمل پیرا رہتے تھے۔اللہ کا حکم ہے کہ اچھی بات کرو،اس میں لہجے کی نرمی کا بھی حکم ہے اور بات کی اچھائی کا بھی۔

اس مضمون کی ابتداء میں ’’فیصل ایوارڈ‘‘ اور ہجرہ انعام‘‘ کی جو تفصیل آپ نے پڑھی‘اس کی وجہ یہ تھی کہ دینی کاموں کا معاوضہ کسی صورت اور کسی بھی انداز سے لینا مناسب نہ سمجھتے تھے۔یہ صرف علم وعمل کی وہ صورت تھی‘جس کا نام ’’تقویٰ‘‘ ہے۔کردار صحابہؓ کی یہ متاع گم گشتہ اب ملت اسلامیہ میں شاذ و نادر ہی کسی اہل نظر میں ملتی ہے‘اللہ نے کردار کی یہ عظمت ڈاکٹر حمید اللہ کو عطا فرمائی تھی۔

سدیدہ احمد نے بتایا کہ نیند کی حالت میں دادا کی روح خالق حقیقی سے جاملی۔ہم لوگوں کو عصر کے وقت یہ احساس ہوا کہ وہ نماز کے لیے اٹھے نہیں جب ہم انہیں اٹھانے کے لیے پہنچے تو حقیقت کا علم ہوا۔بدھ ۱۸دسمبر۲۰۰۲ء کو ظہر کی نماز کے بعد آرلنگ ٹن کی مسجد کے امام پروفیسر ڈاکٹر یونس کوچی نے جیکسن ول کی اسلامی مرکزی مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی۔پروفیسر کوچی استنبول میں ڈاکٹر صاحب کے شاگرد تھے۔وہ آرلنگسٹن (ڈالاس) سے اس موقع پر فلوریڈا آئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے ۹۵برس کی عمر پائی ۔وہ ۱۹فروری ۱۹۰۸ء بروز بدھ حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے تھے۔جامعہ عثمانیہ کے شعبے دینیات سے انہوں نے فقہ میں ایم اے کیا اور ایل ایل بی کی ڈگریاں لے کر یورپ سدھارے۔ان کی دونوں ڈگریاں درجہ اول کی تھیں ۔وہ اپنے دور کے بہت ہی ممتاز اور ذہین طالب علم سمجھے جاتے تھے۔اساتذہ اسی زمانے سے اپنے ہونہار شاگرد کی صلاحیتوں کے قائل تھے۔ڈاکٹر رضی الدین صدیقی وائس چانسلر قائد اعظم یونیورسٹی ان کے معاصرین میں تھے۔۱۹۴۸ء میں وہ سقوطِ حیدرآباد سے پہلے سیکورٹی کونسل کے اس وفد میں شریک ہوکر نیویارک پہنچے جونواب معین نواز جنگ وزیر خارجہ مملکت حیدرآباد کی قیادت میں وہاں پہنچا تھا۔افسوس کہ اسی دوران میں جب سلامتی کونسل حیدرآباد کا دستوری مقدمہ سن رہی تھی کہ بھارت نے حیدرآباد پر جارحانہ حملہ کیا اور اٹھارہ راستوں سے اپنی بھاری فوج کے ساتھ اسلامیان ارض ہمالہ کی اس آزاد اور مقتدر اعلیٰ مملکت کو زبردستی ہندوستان میں ضم کرلیا۔ڈاکٹر صاحب اس سانحے کے بعد پھر حیدرآباد نہیں گئے ۔وہ پیرس میں علمی اور تحقیقاتی کام بھی کرتے رہے اور حیدرآباد کی آزادی کے لیے بڑے زمانے تک کوشاں بھی رہے۔

ڈاکٹر صاحب کے علمی کارناموں کے بارے میں پھر کسی موقع پر گفتگو ہوگی۔جامعہ عثمانیہ کے قیام کا بڑا مقصد یہ تھا کہ اس جامعہ سے ایسے باصلاحیت اور ذہین طالب علم نکلیں جو مشرقی اور مغربی علوم سے واقف اور اسلام و ایمان کی برکتوں سے مالا مال ہوں۔ڈاکٹر حمیداللہ ان کے ساتھیوں اور جامعہ عثمانیہ کے ذہین طالب علموں نے اس مقصد کو پورا کیا ،جن میں ایسے سائنسدان،انجینئر،ڈاکٹر،اسکالرز،بینکار پیدا ہوئے جنہوں نے بین الاقوامی سطح پر اپنی مادر علمی کا نام روشن کیا۔ڈاکٹر حمیداللہ انہی ممتاز فرزندان جامعہ میں گل سرسَبد کی حیثیت رکھتے ہیں۔انہوں نے اپنی تصنیفات سے جو فرانسیسی اور جرمنی زبانوں میں ہے،اعلیٰ تحقیقی معیار کے مطابق مستشرقین کو اسلام کی صحیح تصویر دکھلائی۔یہ کام اس قدر دقت نظر کے ساتھ پچھلی کئی صدیوں میں کسی نے انجام نہ دیا تھا۔

سلیم الیکٹرونکس

ڈاؤلینس ریفریجریٹر کے بااختیار ڈیلر

حسین آگاہی روڈ۔ملتان فون:061-512338